مناصب اورذرائع کا ذمہ دارانہ استعمال، اسلام کی روشنی میں

حافظ محمد سعید احمد عاطف*

محبوب الرحمٰن شاہ**

ABSTRACT:

Any post is a two fold sward on getting of which an individual not any can earn respect, piece of mind and good fame by earning good wishes from Allah's creature in running society on a way of advancement, success & prosperity but by the same post he can also earn success in his life hereafter. On another hand the very same posts can not only be prove the source of destruction and loss of this life, even the source of his destruction of the life hereafter, but such individuals can give a great loss to their nation and country too.

What are the responsibilities of a post? And what are its scopes? In this regard Quran & Sunnah have clearly stated the significant guiding principles, acting upon which not only an individual but the society consisting of such individuals can become advance & perspire within a very short period of time as well as being ideal & model for other nation can be proved a guide.

Key words: Post, Earning, Prosperity, Destruction, Islam.

تمہید

سیرت النبی ﷺ کی جامعیت:۔اسلام وہ کامل اور جامع دین ہے جو دین دنیا کی یکجائی کا عقیدہ لے کر آیا ہے۔اس دینِ معاشرت کا کمال یہ ہے کہ زندگی کے ہر معاملے میں اصولی رہنمائی کرتا ہے۔اس دین کی جامع ترین دعا: ربنا اتنا فی الدنیا حسنة وفی الاخرة حسنة وقنا عذاب النار ہے جس میں اخروی کامیابی کے ساتھ ساتھ دنیائے حسنہ کی دعا بھی مانگی گئی ہے۔یہ دین خلوتوں اور تنہائیوں میں جس طرح انسانی اعمال وخیالات کو بھٹکنے نہیں دیتا۔بعینہ یہ دین اجتماعی معاملات، لین دین اور باہمی حقوق فرائض کا تعین بھی اس خوبی وجامعیت سے کرتا ہے کہ انفرادی معاملات سے لے کر اجتماعیت ونظم ریاست تک اور عقائد وعبادات سمیت تمام معاملات ایک ہی سلسلے میں جڑے اور باہم پیوست نظر آتے ہیں۔دین اسلام انسان کے کردار کو اتنا عظیم اور ہمہ پہلو بنا دیتا ہے کہ وہ جہانگیری وجہانداری کے معاملات کو بھی بمنزلہ

* ریسرچ اسکالر: کلیہ معارف اسلامیہ، جامعہ کراچی برقی پتا: smshah26@gmail.com

تاریخِ موصولہ: ۲۰۱۴/۶/۱۵ء

عبادت سمجھتے ہوئے بخوبی نبھاتا ہے۔ یہ وہ عالی مقام ہے جہاں دین و دنیا میں دوئی کی بجائے یکجائی نظر آتی ہے۔

سیرت نبوی ﷺ کی جامعیت: اس تناظر میں سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

اسلام دین و دنیا اور جنت ارضی اور جنت سماوی اور آسمانی بادشاہی اور زمین کی خلافت، دونوں کی دعوت لے کر اول ہی روز سے پیدا ہوا۔ اس کے نزدیک عیسائیوں کی طرح خدا و قیصر دو نہیں ہیں۔ ایک ہی شہنشاہ علی الاطلاق ہے، جس کی حدود میں نہ کوئی قیصر ہے اور نہ کوئی کسریٰ۔ اسی کا حکم عرش سے فرش تک اور آسمان سے زمین تک جاری ہے۔ وہی آسمان پر حکمران ہے اور وہی زمین پر فرمانروا ہے۔......وہ (اسلام) دیویوں اور دیوتاؤں اور نمرودوں اور فرعونوں کو ایک ساتھ ان کے استھانوں اور ایوانوں سے نکالنے کے لیے آیا تھا اور اس بات کی منادی کرتا تھا کہ آسمان ہو یا زمین دونوں میں ایک ہی خدا کی حکومت ہے۔ اس کے آسمان میں نہ کوئی دیوی ہوگی نہ دیوتا ہوگا اور نہ زمین پر کوئی قیصر ہوگا اور نہ کسریٰ(۱)

یہی وجہ ہے کہ یہ دین دنیا و آخرت کی وسعتوں کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ اس میں انسان کی فکری، اعتقادی، سیاسی، معاشی، معاشرتی اور ہر نوع کی رہنمائی جامع انداز سے کر دی گئی ہے۔ کہیں اس کے لیے اصول دیے گئے ہیں کہ جن کی روشنی میں تمام الجھنوں کا دانش اور علم کی روشنی میں حل نکل سکتا ہے۔ اور کہیں تفصیلی ہدایات دی گئی ہیں۔ تاکہ رہنمائی کی جامعیت میں کوئی کمی نہ رہ جائے۔ اور انسان کو آخری وحی الٰہی کی ایسی ہمہ پہلو رہنمائی میسر آجائے کہ وہ کسی پہلو سے بھی کسی اور رہنمائی کا محتاج نہ رہے۔

مناصب کے استعمال سے متعلق قرآن کی ہدایات

قرآن مجید نے بنی اسرائیل کو ان کے اعمال شنیعہ اور عقائدِ بد کے سبب انسانیت کی قیادت سے محروم کر دیا۔ اور امت محمدیہ ﷺ کو اس منصب عالی پر متمکن فرمایا(۲)۔ انسانیت کی امامت کے لیے، عبادات، اخلاقیات اور انفرادی معاملات سے لے کر اجتماعی و بین الاقوامی امور تک میں قیادت کی اہلیت پیدا کرنا ہے۔ تاکہ یہ امت قرآن کی ہدایات اور صاحب قرآن ﷺ کی پاکیزہ زندگی کی شمعوں سے پوری انسانیت کو منور کر دے۔ اجتماعی معاملات میں قرآن مجید ہمیں جامع ہدایات عطا کرتا ہے۔ پھر قرآن میں مناصب اور ذمہ داریوں کے حوالے سے جو اصولی ہدایات دی گئی ہیں، ان کی روشنی میں یہ امت اپنے نظم اجتماعی کو بہترین طریقے سے مرتب کر کے نو بہ نو مسائل کو حل کرنے کی استعداد حاصل کر سکتی ہے۔ قرآن مجید میں جو ہدایات دی گئی ہیں ان میں بتایا ہے کہ مناصب کی تقرری کی بنیاد، اہلیت و صلاحیت ہے۔ نااہل اور غیر ذمہ دار لوگوں کو منصب سونپنے سے ایک طرف اگر اللہ کی نافرمانی ہوتی ہے تو دوسری جانب اس سے معاشرے میں ابتری اور فساد پیدا ہوتا ہے۔ پھر اسی سے مالی بدعنوانی کے راستے بھی تراش لیے جاتے ہیں۔

(۱) آیتِ اہلیت

ان اللہ یأمرکم أن تؤدوا الأمٰنٰت الٰی أھلھا(۳) اس آیت کے حوالے سے اہم مفسرین کی آراء یہ ہیں
تفسیر ابن کثیر میں ہے:

یہ آیت وسیع المعنٰی ہے۔اس میں اللہ کے حقوق کی ادائیگی بھی شامل ہے۔جیسے نماز، وزہ، زکوۃ وغیرہ اور بندوں کے اپنے کل حقوق بھی شامل ہیں جیسے امانت داری۔ابو العالیہ فرماتے ہیں: جس چیز کا حکم دیا گیا ہے اور جس چیز سے روکا گیا ہے وہ سب ''امانت'' میں شامل ہیں۔(۴) ابن کثیر قتادہ کا قول نقل کرتے ہیں کہ دین، فرائض، حدود یہ سب اللہ کی امانت ہیں۔اور جملہ فرائض بھی اس میں داخل ہیں۔(۵) مولانا عبدالماجد دریا آبادی لکھتے ہیں: امانات کے اندر جملہ حقوق آ گئے جن کی ادائیگی واجب ہے اور اھلھا سے وہ سب مراد ہیں جن کے متعلق وہ فرائض عائد ہوتے ہیں۔(۶) معلوم ہوا کہ یہ آیت بہت جامع ہے۔اور منصب وذمہ داری کے ہر پہلو کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

اس آیت کا شان نزول بتاتا ہے کہ جہاں معاملہ عمومی ہو وہاں تو استحقاق واہلیت اور علاقائی وخاندانی روایت وعرف کا لحاظ رکھا جائے گا۔جیسے عثمان بن طلحہ کا معاملہ ہے کہ وہ خانہ کعبہ کے کلید بردار تھے، لیکن تب وہ ایمان نہ لائے تھے۔فتح مکہ کے موقع پر کلیدِ کعبہ کا شرف انہی کے پاس برقرار رکھا گیا۔(۷) آیت کی جامعیت میں ہر نوع کے مناصب کی ذمہ داریوں میں کمال حد تک وسعت آ گئی ہے کہ ممکنہ حد تک اہلیت وصلاحیت کا ہر جگہ لحاظ رکھا جائے گا۔

(۲) آیتِ استخلاف

وعد اللہ الذین امنوا منکم وعملوا الصالحت لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضی لھم ولیبدلنھم من بعد خوفھم أمنا.(۸)

اس آیت میں مسلمانوں کو ان کے مناصب (خلافت) کی اجتماعی ذمہ داریوں کے حوالے سے آگاہ کیا جا رہا ہے کہ استخلاف فی الارض کے نتیجے میں امت پر کونسی اجتماعی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔امنِ عالم اور امتِ محمدیہ کی وسعت کی اس کیفیت کے حوالے سے حضور ﷺ نے اس طرح اشارہ فرمایا ''ان اللہ زوی لی الارض فرایت مشارقھا مغاربھا وان امتی سیبلغ ملکھا ما زوی لی منھا'' (۹)۔آیات استخلاف کے ضمن میں ابن جریر لیستخلفنھم کا مفہوم سیاسی حکمرانی ہی لیتے ہیں۔ **فیجعلھم ملوکھا وسیاستھا** (۱۰)۔علامہ آلوسی نے بھی آیت کی تفسیر میں اسی معنی کو اختیار کیا ہے۔(۱۱)

ظاہر ہے کہ سیاسی نظم ہوگا تو مناصب کی تقسیم وتعیین ہو سکے گی۔اور اس کی ذمہ داریوں کی حدود متعین کی جا سکیں گی، اس لیے اسلامی حکومت کے غلبہ واقتدار کی صورت میں عامۃ الناس کو روحانی اور دنیوی ترقی کے بہترین مواقع مہیا

کیے جاتے ہیں۔ اسی کی ایک صورت مختلف سرکاری مناصب پر دیانتدار اور اہل افراد کا تقرر ہے۔ ان کی دیانت اور صلاحیتیں جس قدر زیادہ ہونگی عوام کو اتنی ہی آسانی ملے گی۔ الجھنیں پیدا نہیں ہونگی۔ نتیجتاً اندرونی فساد کی کوئی صورت متشکل نہ ہوسکے گی۔ اس سے حکومت کو استحکام میسر آئے گا۔

(۳) اطاعتِ اولی الامر کی تعیین

یا ایھا الذین اٰمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم. (۱۲)

اس آیت میں اللہ اور نبی کی اطاعت غیر مشروط ہے اور اولی الامر کی اطاعت مشروط ہے۔ یہاں **اولی الامر** سے مراد کیا ہے؟ ابن جریر فرماتے ہیں: **اولی الامر** سے مراد مسلمانوں کے حکمران یا دینی سربراہ دونوں ہوسکتے ہیں۔ **واولی الاقوال فی ذلک قول من قال ھم الامراء والولاۃ** (۱۳)

امام فخر الدین رازی نے اولی الامر کی تفسیر ''**اھل الحل والعقد**'' سے کی ہے۔ یعنی وہ لوگ جو مسلمانوں کے معاملات کے ذمہ دار اور مستند نمائندے ہوں اور فیصلے کرنا ان کے ہاتھ میں ہو۔ (۱۴)

امام ابن کثیر، امام جصاص، اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی کے مطابق اولی الامر سے مراد، امراء وحکام اور علماء وفقہاء ہیں۔ (۱۵)

مفسر ابن عاشور لکھتے ہیں کہ: یہاں اولی الامر سے مراد خلیفہ سے لے کر والی حسبہ تک وہ لوگ ہیں جو نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی کے علاوہ ہیں۔ (۱۶)

ظاہر ہے کہ اولی الامر کی مختلف حیثیتیں جو سیاسی حکمرانی سے لے کر نیچے کے چھوٹے سے چھوٹے منصب تک پھیلی ہوئی ہیں۔ یعنی کسی بھی منصب پر فائز شخص کی اطاعت اس لیے کی جائے کہ وہ اجتماعی نظم میں ایک بڑے اولی الامر (خلیفہ یا امیر) کے تابع ہے۔ سرکاری احکام تنفیذ و بجا آوری کے لیے اس کی حیثیت اولی الامر کے نائب کی سی ہے۔ کیونکہ امراء وحکام امت کے اجتماعی مصالح کا نظم چلاتے ہیں اور عمومی مفادات کی نگہبانی کرتے ہیں۔ اس لیے **انما الطاعۃ فی المعروف** (۱۷) کے تحت ان کی مشروط اطاعت کی جائے گی۔ تفہیم القرآن میں ''اولی الامر'' کی وسعت اور معاشرتی وقانونی حیثیت کی جہت کے حوالے سے بڑی مبسوط تفسیر کی گئی ہے۔ ''اولی الامر کے مفہوم میں وہ سب لوگ شامل ہیں جو مسلمانوں کے اجتماعی معاملات کے سربراہِ کار ہوں خواہ وہ ذہنی وفکری رہنمائی کرنے والے علماء ہوں، یا سیاسی رہنمائی کرنے والے لیڈر، یا ملکی انتظام کرنے والے حکام، یا عدالتی فیصلے کرنے والے جج، یا تمدنی و معاشرتی امور میں قبیلوں اور بستیوں اور محلوں کی سربراہی کرنے والے شیوخ اور سردار۔ غرض جو جس حیثیت سے بھی مسلمانوں کا صاحب امر ہے۔ وہ اطاعت کا مستحق ہے۔ اور اس سے نزاع کر کے مسلمانوں کی اجتماعی زندگی میں خلل ڈالنا درست نہیں ہے۔ بشرطیکہ وہ خود مسلمانوں کے گروہ میں سے ہو اور خدا اور رسول کا مطیع ہو۔ یہ دونوں شرطیں اس اطاعت کے لیے لازمی شرطیں ہیں''۔ (۱۸)

(۴) علمی وجسمانی اہلیت

''وزادہ بسطۃ فی العلم والجسم'' (۱۹) امام فخر الدین رازی نے اسی بناء پر آیت میں علم وجسم دونوں سے وہ کمالات حقیقہ مراد لیے ہیں جو ہر انسانی کو حاصل ہوتے ہیں اور انسانیت کو فروغ دیتے ہیں۔(۲۰) تفسیر جلالین میں کمال اختصار کے ساتھ حضرت جالوت کی قیادت کی وجوہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے: وکان اعلم بنی اسرائیل یومئذ واجملھم واتمھم خلقا زیادہ علم کے ساتھ ساتھ خوبصورتی وجمال، اطاعت ومحبت کو مزید بڑھادیتے ہیں۔ پھر اس پر مزید حسن خلق کا کمال گویا یہاں علمی صلاحیت اور جسمانی خوبصورتی کو بھی ملحوظ رکھا جارہا ہے۔(۲۱)

مولانا تقی امینی اس آیت کی تجزیاتی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''جو لوگ مال ودولت کی وسعت اور خاندانی شرافت میں قیادت کی صلاحیت سمجھتے تھے آیت میں اللہ نے اس کی تردید فرمائی اور اس کے لیے دو چیزیں ضروری قرار دیں۔ (۱) علم کی قوت اور علم سے کوئی خاص قسم کا اصطلاحی علم مراد نہیں ہے بلکہ کام اور مقام کی مناسبت سے ذہانت وفراست اور فہم وتدبر وغیرہ کی استعداد مراد ہے۔ اسی معنی میں بعض انبیاء کو ابتداہی سے علیم کے خطاب سے نوازا گیا تھا۔ حالانکہ (وحی الٰہی) کا سلسلہ نبوت کے عالی مقام پر فائز ہونے کے بعد شروع ہوا تھا، مثلاً وبشروہ بغلم علیم، انا نبشرک بغلم علیم، ایسے ہی جسم سے اس کی لمبائی چوڑائی مقصود نہیں ہے بلکہ صورت وسیرت کا اعتدال اور اندرونی قوی کی پختگی ومضبوطی مراد ہے فرائض قیادت کی انجام دہی میں ان دونوں کی ضرورت پڑتی ہے کردار کی بلندی کے ساتھ انسان کی ظاہری صورت کا پرکشش ہونا بڑی اہمیت رکھتا ہے اور اندرونی قوی کی پختگی کے بغیر تو کوئی مسند قیادت سنبھالنے کا اہل ہی نہیں قرار دیا جاتا''۔(۲۲)

یہاں اللہ تعالیٰ نے علمی صلاحیت اور جسمانی اہلیت دونوں کی اہمیت بھی بتلائی اور ترتیب بھی۔ اس سے پہلے جو لوگ مال ودولت کی کثرت اور خاندانی نجابت کو بنائے استحقاق سمجھتے تھے۔ ان کی تردید کردی گئی۔ اور مناسب اور ذمہ داریوں کے حوالے سے علمی وجسمانی قابلیت کو معیار بنا کر کل انسانیت کے لیے استعداد کی بنیاد پر ترقی کے راستے کھول دیے گئے۔

سرکاری احکام کی تنفیذ کے لیے نظم حکومت کا قیام لازمی ہے!

مناصب کا تعین اور اس کی حدود کار واصول وضوابط یہ ایک سیاسی نظم کی بدولت ہی ممکن ہے۔ اور یہ سیاسی نظم ایک ریاست ومملکت کا طلبگار ہے۔ جس کی نظیر مدینہ طیبہ کی اولین اسلامی ریاست ہے۔ حکومت اور اس کے اعضاء، مقننہ عدلیہ اور انتظامیہ کا وجود ایک اجتماعی نظم کی صورت میں تبھی ظہور پذیر ہوگا جب ایک خلیفہ یا امیر کا تقرر شرعی بنیادوں پر ہوگا۔ کیونکہ اجتماعی امور کے لیے ایک متفقہ قیادت کا لزوم واہتمام مدنیت کا تقاضا ہے۔ اس لیے اسلام میں وجوب خلافت کا واضح تصور موجود ہے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ کی رحلت کے بعد تدفین سے قبل جس اجتماعی امر کا فیصلہ کیا گیا، وہ یہی خلافت تھی۔ تاکہ

مسلمانوں کے اجتماعی معاملات میں بالخصوص کوئی خلل واقع نہ ہو۔ نبی کریم ﷺ نے اس خلافت واجتماعیت کی تلقین اور اہمیت اس طرح سے بیان فرمائی:

وانما الامام جنة يقاتل من ورائه يتقى به فان امر بتقوى الله وعدل فان له بذلك اجرا وان قال بغيره فان عليه منه. (۲۳) امام قرطبی آیت **انى جاعل فى الارض خليفة** (۲۴) کے حوالے سے لکھتے ہیں: **هذه الاية اصل فى نصب امام وخليفة يسمع يطاع لتجتمع به الكلمه وتنفذ احكام الخليفة ولا خلاف فى وجوب ذلك بين الامة ولا بين الائمة.** (۲۵)

اس لیے حکومت کا قیام ضروری ہے تا کہ منظم انداز سے حقوق فرائض کی تعمیل وتکمیل ہو سکے، اور ریاست (State) کی حاکمیت (Writ) قائم رہ سکے۔

ریاست کی عمومی تعریف اس طرح کی جاتی ہے: ''ریاست ایک ایسا ادارہ ہے جس کی اقتدار پر مکمل اور موثر اجارہ داری ہوا کرتی ہے بعینہ وہ کسی بھی ملک میں اقتدار اعلیٰ کی حامل ہوا کرتی ہے اس کی اپنی واضح سرحدیں ہوا کرتی ہیں اور وہ اقتدار اعلیٰ کا جواز رکھتی ہے اور یہی جواز اسے ایک معاشرے میں قوانین اور ضوابط کے تحت حکومت کرنے کا حق دیتا ہے۔'' (۲۶)

حکومت کی علماء اسلام نے جو تعریفات کی ہیں۔ ان میں سے ایک اہم تعریف یہ ہے۔ ''حکومت (Government) وہ آلہ ہے جس کے توسط سے فرمانروا کے احکام رعایا تک پہنچتے ہیں اور عمل میں لائے جاتے ہیں گویا حکومت فرمانروا اور رعایا کے درمیان ایک دواسطہ کا نام ہے توسط اس کی حقیقت میں داخل ہے''۔ (۲۷) اسلام میں حکومت اور ریاست کا فرق قائم رہتا ہے۔ اصل ریاست ہے جو آئینی وقانونی طور پر قرآن وسنت کی اساس پر تشکیل دی جاتی ہے۔ اور حکومت کی کوئی پالیسی اس اساس کے خلاف نہیں بن سکتی۔

ریاست کے قیام کے ساتھ ہی اہلکاروں کے نصب اوران کی ذمہ داریوں کا تعین بھی ضروری ہوجاتا ہے تا کہ وہ اپنے فرائض کو دلجمعی اور دیانت کے ساتھ ادا کرسکیں۔ اس لیے کہ جب تک اہل مناصب اپنی ذمہ داریوں کو پوری طرح ادا نہیں کریں گے، تو بے چینی اور فساد پیدا ہوگا۔ اس لیے خلافت یا اجتماعی نظم کے قیام کی بدولت ہی سرکاری اہلکاروں کو ذرائع کے ذمہ دارانہ استعمال کا پابند بنایا جاسکتا ہے۔ اس ضمن میں علامہ ماوردی اور قاضی ابویعلی تو خلیفہ کے کی بنیادی فرائض گنواتے ہیں کہ جنہیں خلیفہ (سربراہ) کے لیے پورا کرنا ضروری ہے اور جن کے لیے وہ قوم کے سامنے ہر وقت جوابدہ ہے۔ (۲۸)

قرآن روشنی میں اہل منصب کے نمایاں اوصاف

قرآن مجید ایک جامع کتاب ہے۔ جس میں زندگی کے کسی اہم گوشے کو نظرانداز نہیں کیا گیا۔ بلکہ اس کے متعلق اصولی ہدایات دے کر باقی امور کو امت کے اجتماعی ضمیر یا اجتماعی دانش پر موقوف کر دیا ہے کہ وہ قرآن وسنت کے سوتوں

سے مستفید ہو کر اپنے وقت کے مسائل اور الجھنوں کے حل وکشود کا راستہ ڈھونڈ لیں گے۔ البتہ قرآن مجید کے متفرق مقامات سے ملازمین وعمال کی جو عمومی ذمہ داریاں ہیں۔ ذیل میں متعدد آیتوں کا مفہوم ذکر کیا جاتا ہے۔ جن سے ان کے اعمال واخلاق معلوم ہو سکتے ہیں۔

(۱) معاملات کو صلح وصفائی کے ساتھ درست رکھنا۔ (۲) نماز میں خشوع وخضوع قائم رکھنا۔
(۳) زندگی کے نشیب وفراز میں اللہ کے علاوہ اور کسی سے نہ ڈرنا۔ (۴) نکمی باتوں اور لغو حرکتوں سے الگ رہنا۔
(۵) زندگی کے ہر گوشہ میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں سرگرمی دکھانا۔ (۶) زکوٰۃ کی ادائیگی میں سرگرم رہنا۔
(۷) رازوں اور شرمگاہوں کی حفاظت کرنا۔ (۸) امانتوں اور عہدوں کا پاس رکھنا۔ (۹) آخرت پر یقین رکھنا۔
(۱۰) ندامت اور عزم واستقلال کے ساتھ توبہ کرنا۔ (۱۱) زندگی میں عابدانہ شان نمایاں ہونا۔ (۱۲) اللہ کی حمد کرنا۔
(۱۳) علم حق کی معرفت اور جہاد کے لیے سیر وسیاحت کرنا۔ (۱۴) نیکی کا حکم دینا اور برائیوں سے روکنا۔
(۱۵) حقوق وفرائض کی نگہداشت کرنا۔ (۱۵) شدت ومصیبت کے وقت صبر وتحمل سے کام لینا
(۱۷) قول وعمل میں سچا اور پکا ہونا۔ (۱۸) رات کے آخری حصہ میں اللہ کے حضور کھڑے ہونا اور مغفرت طلب کرنا۔
(۱۹) خوشحالی وتنگدستی ہر حال میں اللہ کے لیے خرچ کرنا۔ (۲۰) غصہ کی حالت میں بے قابو نہ ہونا۔
(۲۱) قصور معاف کر دینا۔ (۲۲) آپس میں نرم رہنا اور دشمنوں کے مقابلہ میں سخت رہنا۔
(۲۳) اللہ کی راہ میں کسی ملامت کی پرواہ نہ کرنا اور جان تک لڑا دینا۔ (۲۴) برائی کا مقابلہ بھلائی سے کرنا۔
(۲۵) برابر سرابر بدلہ لینا حد سے آگے نہ بڑھنا۔ (۲۶) قول اور عمل سے جھوٹی شہادت نہ دینا۔
(۲۷) لغو اور نکمی باتوں سے شریفوں کی طرح گزر جانا۔ (۲۸) بدی کا ارتکاب نہ کرنا۔
(۲۹) بے حیائی کی باتوں سے الگ رہنا۔ (۳۰) نیکی اور بھلائی کی اشاعت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا۔
(۳۱) ناپ تول میں کمی نہ کرنا۔ (۳۲) معاملات باہمی مشورہ سے طے کرنا۔
(۳۳) تمام معاملات میں ایمان کی روح سرایت کی ہوئی ہونا وغیرہ۔ (۲۹)

یہ وہ کتاب ہدایت وحکمت سے مستفید یہ چند نکات وہدایت ہیں جن کی روشنی میں اداروں کی تشکیل، تطہیر اور تعمیر کی جاسکتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ دیانت اور امانت کے پہلو کمزور ہونے کے سبب معاشرے میں جو ابتری پھیلی ہوئی ہے اس کا ازالہ بھی ممکن ہے۔

مناصب وذرائع کے ذمہ دارانہ استعمال کے لیے نبویؐ ضابطۂ قوانین (Code of Conduct) کے نمایاں پہلو

نبی اکرم ﷺ نے امارت اور مناصب کے حوالے سے ایسے بنیادی خدوخال متعین فرما دیے ہیں کہ انہیں سامنے رکھ کر ایک کامیاب ریاست کی نقشہ گری کی جاسکتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ کے تشکیل کردہ اس اجتماعی نظم کی بنیاد خوف خدا، اور احتساب

نفس پر ہے۔اسی سے فرائض کی ادائیگی اور منصب کے تقاضوں کی ہمہ پہلو تکمیل ہو سکتی ہے۔اللہ تعالیٰ کی ذات کا استحضار ہر خیانت کی جڑ کاٹ دیتا ہے۔آپؐ کسی کو منصب پر متعین کرنے سے قبل کبھی اس سے عدم خیانت کا عہد لیتے اور کبھی منصب کے حوالے سے اسے ذمہ داریوں کا احساس دلاتے۔آپؐ کے حکیمانہ طرز میں اس حوالے سے ترغیب اور ترہیب دونوں طرح کے پہلو موجود ہیں۔یہی آپؐ کا اہل مناصب کے لیے کوڈ آف کنڈ یکٹ ہے۔جو آج کے حالات میں ہماری بھرپور رہنمائی کرتا ہے کہ کس طرح سرکاری اہلکاروں کو اپنے مناصب کا جائز اور درست استعمال کرنا جو ایک طرف خدا اور رسول کی منشاء کے خلاف نہ ہو۔اور دوسری جانب ریاست کے قوانین کی پابندی بھی ہو،اور عوام الناس کے حقوق کی منصفانہ طریق پر ادائیگی بھی اس میں شامل ہو۔آپؐ نے اہلکاروں کے لیے جو کوڈ آف کنڈکٹ تشکیل دیا، بالخصوص آج اہل پاکستان اس سے استفادہ کر کے ملازمین کی اہلیت اور صلاحیت کا ذمہ دارانہ اور درست استعمال کرو اسکتے ہیں۔

(۱) خیانت کا ہر انداز ناجائز ہے

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:''مجھے رسول اللہ ﷺ نے یمن کی جانب متعین فرمایا، میں جب روانہ ہوا تو آپ نے مجھے واپس بلایا اور فرمایا کہ میں نے تمہیں صرف اس لیے بلایا ہے کہ میں تمہیں بتادوں کہ میری اجازت کے بغیر تم جو کچھ بھی لوگے وہ خیانت ہے اور ہر خائن اپنی خیانت کو لیے ہوئے قیامت کے دن آئے گا۔بس میں نے تمہیں یہی بتلانا تھا، اب اپنے کام پر جا کر لگ جاؤ''۔(۳۰)

(۲) مالی بدعنوانی پر تنبیہ اور وعید

سرکاری مناصب فائز اہلکاروں کو آپؐ نے ہر طرح کی بدعنوانی سے روکنے کے لیے کبھی تنبیہ فرمائی،اور کبھی اس کے برے انجام سے ڈرایا۔آپؐ نے فرمایا''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے کوئی تم میں سے ایسا مال (ھدیے کے طور پر) نہ لے گا مگر قیامت کے دن اپنی گردن پر لاد کر اسے لائے گا۔اس طرح حاصل کیا ہوا اگر اونٹ ہوگا تو وہ بڑبڑا رہا ہوگا۔گائے ہوگی تو چلا رہی ہوگی۔بکری ہوگی تو ممیا رہی ہوگی پھر آپؐ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے یہاں تک کہ آپؐ کی بغلوں کی سفیدی ہمیں نظر آنے لگی اور فرمایا یا اللہ! میں نے تیرا حکم لوگوں کو پہنچا دیا''۔(۳۱)

روایت پر تبصرہ:

اس روایت میں حضور ﷺ کے جلال کی شدت سے اندازہ کرنا چاہیے کہ مالی بدعنوانی آپؐ کے نزدیک کس قدر گھناؤنا جرم ہے۔(۳۲)

روایت کے اندر اس بات کی تفصیل موجود ہے کہ عامل نے خود آکر اس مال کی نشاندہی کر دی تھی اور نبی کریم ﷺ کے سامنے پیش فرما دیا تھا کہ یہ مال مجھے ملا ہے اور یہ مال سرکاری خزانے کا ہے۔اس سے ان کی بدنیتی کی بجائے نیک نیتی ظاہر ہو رہی ہے۔کیونکہ اگر ان کی نیت میں کوئی خرابی ہوتی اور وہ ہدایا چھپانا چاہتے ہوتے تو اس مال کا ذکر قطعاً نہ کرتے جو

انہیں ذاتی حیثیت میں ملا تھا۔

امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں: والیان حکومت میں سے ہر ایک اس آزمائش میں پڑا ہوا ہے کہ کون ہدیہ وغیرہ قبول کرنے سے اجتناب کرتا ہے اور کون نہیں کرتا۔ اگر وہ اس سے باز نہ آئیں تو وہ ظلم کے مرتکب ہوئے۔ اللہ نے حکام پر واجب کر دیا ہے کہ وہ لوگوں کی حاجات پوری کریں۔ اگر وہ ان کی ضروریات کی تکمیل نہیں کرتے بلکہ الٹا ان سے ہدیے اور نذرانے قبول کرنے لگتے ہیں تو یہ لوگ آخرت کے بدلے دنیا کے خریدار بن جائیں گے۔(۳۳)

(۳) مقررہ تنخواہ کے علاوہ مالی فائدہ اٹھانے کی ممانعت

ابوداؤد شریف میں مالیات کی وصولی پر مامور عہدہ داروں کے بارے میں نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان منقول ہے: "**من استعملناه علی عمل فرزقناه رزقا فما اخذ بعد ذلک فھو غلول**"(۳۴)

آپ کا یہ جامع ارشاد ہر مالی بدعنوانی کا راستہ بند کر دیتا ہے۔ اس سے ہدیے، تحائف اور اس طرح کی دیگر عنایات وسہولیات جو ایک سرکاری اہلکار اپنے منصب کی وجہ سے عوام سے حاصل کرسکتا ہے اسے صراحتاً ناجائز قرار دیا گیا ہے۔

(۴) بھتہ خوری اور ظالمانہ رویے کی ممانعت

مالیات کے شعبے میں عاملین کا ظالمانہ رویہ ایسی خرابی ہے جو حکمرانوں اور عوام کے درمیان فاصلے بڑھا دیتی ہے اس کی ایک شکل یہ ہے کہ عمال حکومت لوگوں سے محصول اور زکوۃ کے نام پر مقررہ شرح سے زائد وصول کرتے ہیں۔ ایسا کرنے والے شخص کو 'صاحب مکس' (بھتہ خور) کہا گیا۔ "**لا یدخل الجنة صاحب مکس**" (۳۵) صاحب مکس (بھتہ خور) جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ: "حضرت داؤدؑ اپنے اہل وعیال کے ساتھ رات کے ایک حصے میں جاگتے اور عبادت کیا کرتے تھے۔ کیونکہ رات میں ایک ایسا لمحہ ہوتا ہے جس میں جو دعا بھی کی جائے قبول ہوتی ہے۔ سوائے جادو کرنے والے اور ظالمانہ انداز سے ٹیکس وصول کرنے والے کے۔"(۳۶)

آج متعدد سرکاری افسران واہلکار بالواسطہ طور پر عوام سے بھتہ لیتے ہیں۔ اس کے بدلے کبھی ان کی جان کے تحفظ کا وعدہ کیا جاتا ہے۔ اور کبھی دیگر سرکاری ذرائع سے بے جا رعایتیں دی جاتی ہیں۔ ایک پہلو سے یہ رویہ عوام کے ساتھ ظلم ہوتا ہے دوسرے پہلو سے حکومت کے ساتھ خیانت وغداری۔

(۵) سرکاری ملازمین کا احتساب

صدقات کے محصل ابن اللتبیہ ازدی کے پاس تحائف دیکھ کر آپ ﷺ نے ان سے باقاعدہ حساب لیا اور سرکاری حیثیت میں تحائف لینے پر ان کی خوب سرزنش کی اور آخرت کا حساب یاد دلایا۔(۳۷) نبی اکرمؐ اس طرز عمل سے استفادہ کرتے ہوئے سرکاری ملازمین کے لیے احتساب کا ایک منظم ادارہ قائم کیا جائے جو ان کی بدعنوانیوں، بداخلاقیوں کی تحقیق

کرے، اور آمدنی سے زیادہ پرتعیش اندازِ زندگی کی تحقیق کرے۔ اگر اس طرح کا نظم نبویؐ کے فرمان کی روشنی میں قائم ہو جائے۔ تو اہل مناصب کو ہر لمحے ڈر ہوگا کہ کسی بھی وقت ہمیں احتسابی شکنجے میں جکڑا جا سکتا ہے۔ اس سے بدعنوانیوں بڑی حد تک تھام ہو سکے گی۔

(۶) قانون کی حفاظت (Rule of Law)

اہل منصب کا ایک فرض ہے کہ وہ خود قانون کی پابندی کریں اور عوام الناس سے بھی پابندی کروائیں۔ کیونکہ مقتدرہ کے احکام جو احاطہ شریعت میں ہیں ان کی تکمیل کرنی اور کروانی لازم ہے۔ **وما اتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا** (۳۸) سے استنباط کرتے ہوئے حکومتی احکامات کی پابندی گویا فرمان نبوی ﷺ کی تکمیل ہے۔ اہل منصب کی یہ جماعت اس پابندی کو قائم رکھتی ہے، جس سے حکومتی رِٹ مضبوط ہوتی ہے۔ آپؐ نے فرمایا **ید اللہ علی الجماعۃ** (۴۱) اس نبوی فرمان کی روشنی میں سرکاری اہلکاروں کے لیے اپنی ذمہ داریوں کو انفرادی حیثیت کے ساتھ ساتھ اجتماعی حیثیت سے بھی قائم رکھنا ہے۔

(۷) اقلیتوں کا تحفظ اور ان پر شفقت

نبی کریم ﷺ رحمۃ للعالمین ہیں۔ اس لیے آپ کی رحمت عام ہے۔ جس میں غیر مسلم بھی شامل ہیں۔ ایک اسلامی مملکت میں غیر مسلموں کے حقوق کا تحفظ عقیدے کا حصہ سمجھ کر کیا جاتا ہے۔ اس لیے اسلامی مملکت میں اہل مناصب کے لیے لازم ہے کہ وہ اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت کرتے ہوئے ان کی دلجوئی کریں۔ اور ان کے مسائل کے حل کی طرف خصوصی طور پر توجہ دیں تا کہ ان کی اسلامی مملکت سے وفاداری مزید مستحکم ہو سکے۔ نبی کریمؐ نے نجران کے عیسائیوں سے جو معاہدہ کیا وہ کمال درجے کی رواداری اور انسان دوستی کی مثال ہے۔ اس کی ایک شق یہ بھی تھی کہ عدل وانصاف اور سماجی انصاف میں ان کے حقوق، مسلمانوں کے حقوق کے مساوی ہوں گے۔ (۳۹)

(۸) کمزوروں کا لحاظ

نبی کریم ﷺ کے مزاج میں حد درجہ نرمی اور رافت تھی اور یہی وصف آپ اپنی امت میں دیکھنا چاہتے تھے۔ نرمی کا ایک پہلو دوسرے کی کمزوری کا خیال اور اس کے ساتھ رعایت کرنا ہے۔ ضعیفوں کا لحاظ، خواتین کے مسائل کو ترجیحاً حل کرنا بھی نرمی ہی کا ایک انداز ہے۔ اہل منصب کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ کمزور طبقات کے مسائل کو خصوصی طور پر حل کریں۔ آپؐ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی شخص لوگوں کا امام بنے تو انہیں ہلکی نماز پڑھائے کیونکہ ان میں بچے، بوڑھے، کمزور اور مریض بھی ہوتے ہیں۔ جب وہ اکیلا پڑھے تو جیسے چاہے پڑھ لے۔'' (۴۰) جس طرح امامت صلوۃ ایک ذمہ داری ہے بعینہ اسی منصب پر فائز شخص کے لیے ضروری ہے کہ وہ عوام کے لیے آسانی اور یسر کے پہلو کو ہمیشہ مدنظر رکھے۔

(۹) اہل مناصب کو تنبیہ

کسی منصب کی ذمہ داری کو نبھانا بڑا نازک کام ہے۔اس میں دوسروں کی خیر خواہی و ہمدردی کے عنصر کا ہونا لازمی ہے تا کہ ایک دوسرے کے نقصان و فائدے کو اپنا نقصان اور فائدہ سمجھا جائے۔آپ کا ارشاد ہے: ''مومن مومن کا آئینہ ہے اور مومن، مومن کا بھائی ہے۔وہ نقصان دہ چیزوں سے بچاتا ہے اور اس کی غیر حاضری میں اس کی حفاظت کرتا ہے''۔(۴۱) اہل مناصب، عوام کے حقوق کے امین ہوتے ہیں۔اس لیے ان کی غیر موجودگی میں بھی عوام کے حقوق کی حفاظت نبوی ضابطہ قانون (Code of Conduct) کے تحت ان کی ذمہ داری ہے۔آپ کا ارشاد ہے ''جو شخص مسلمانوں کے کسی معاملے کا ذمہ دار بنایا جائے اور پھر وہ اپنا دروازہ ان کی ضرورت و حاجت اور فقر کے وقت ان پر بند کر لے تو اللہ تعالی اس کی ضرورت، حاجت اور فقر کے وقت اس کے لیے اپنے دروازے بند کر لے گا۔(۴۲) کیونکہ منصب دار کا منصب اور سرکاری ذرائع جو اس کی تحویل میں وہ امانتاً ہیں اور عوام الناس کے فائدے کے لیے ہیں۔اس لیے وہ حاجت مندوں کے لیے اپنا دروازہ کھلا رکھے۔

(۱۰) اہل مناصب کو نبوی بشارت

نبی کریم ﷺ نے ملازمین کے ضابطۂ اخلاق میں بہت توازن پیش نظر رکھا ہے۔ایک طرف تو ان کی نازک ذمہ داریوں کی دیانتدارانہ ادائیگی کا احساس دلایا جاتا ہے۔اس میں سستی اور غیر ذمہ داری پر ان کے لیے اگر تنبیہات ہیں تو وہیں فرائض کی صحیح ادائیگی پر ان کے لیے نبوی بشارتیں بھی ہیں تا کہ وہ اپنے منصب کو ایک قیمتی موقع سمجھتے ہوئے ان بشارتوں کو حاصل کرنے کی مقدور بھر کوشش کریں آپؐ نے فرمایا:

> ''عدل و انصاف کے ساتھ حکومت کرنے والے حاکم، قیامت کے دن اللہ تعالی کو دوسرے سب لوگوں سے زیادہ پیارے اور محبوب ہونگے اور ان کو اللہ تعالی کا سب سے زیادہ قرب حاصل ہوگا اور (اس کے برعکس) قیامت کے دن وہ ارباب حکومت اللہ تعالی کو سب سے زیادہ مبغوض اور سخت ترین عذاب یں مبتلا ہوں گے جو ظلم اور بے انصافی کے ساتھ حکومت کریں گے''۔(۴۳)

اس فرمان کی روشنی میں سرکاری مناصب اور ذرائع کے صحیح استعمال کی اہمیت بہت بڑھ جاتی ہے۔اہل مناصب اپنی ذمہ اریوں میں عدل کی بجائے کسی بھی طرح کے ظلم کے مرتکب نہ ہوں۔اس ظلم کی کئی صورتیں ہیں۔مثلاً (الف) سائلین سے بے توجہی کرنا (ب) ان کے مسائل کو ٹالتے رہنا (ج) ان سے کسی ہدیے، کمیشن یا کسی اور بے جا رعایت کی بالواسطہ یا بلاواسطہ طلب کرنا۔ظلم کی ان سب صورتوں سے اجتناب، نبوی کوڈ آف کنڈکٹ کا تقاضا ہے۔

(۱۱) افسرانِ بالا کا ادب و لحاظ

سرکاری فرائض کی بجا آوری کے ضمن میں اہل کاروں کا اپنے افسران کے لیے ادب اور احترام کے جذبات کا ہونا

بھی ضروری ہے۔ کیونکہ اگر ادب کی بجائے نفرت اور بغض کے رویے ہوں گے تو سرکاری احکامات کی تکمیل اپنی روح کے ساتھ نہیں ہو سکتی۔ جس سے عوام کو پریشانی ہوتی ہے۔ اور سرکاری اہلکاروں میں باہمی بد دلی اور تنافر پھیلتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کی اس پہلو سے بھی بڑی جامع ہدایت ہے کہ کسی بھی بڑے منصب دار، شیخ، سربراہ اور امیر و عمید کا احترام بھی ضروری ہے۔ ایک دفعہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں تشریف لائے تو نبی کریمؐ نے انصار سے فرمایا: ''قوموا الی سیدکم''(۴۴) آپؐ کے اس فرمان میں کسی بھی پہلو سے بڑے انسان کا ادب اور احترام کا جواز نکلتا ہے۔ جب تک اہل مناصب افسران بالا کا احترام دل میں نہیں رکھیں گے تب تک ایک دوسرے کی خیر خواہی کے جذبات نہ پیدا ہو سکیں گے۔ اس لیے اپنے افسران کا شرعی حدود کے اندر احترام ضروری ہے تاکہ عوام الناس تک سرکاری احکامات صحیح طریقے سے پہنچائے جاسکیں۔

(۱۲) مشفقانہ اصلاحی انداز

سرکاری اہلکاروں کا ایک کام یہ بھی ہے کہ وہ عوام الناس کے ساتھ شفقت و محبت سے پیش آئیں اور اگر کہیں کسی سے کوئی ایسی غلطی ہو کہ جس میں تنبیہ یا اصلاح کا پہلو نکلتا ہو تو وہاں مشفقانہ انداز سے عوام الناس کی اصلاح کریں۔ حکومت بھی عوام کے لیے ایک مشفق اور محترم ہستی کی طرح ہے۔ اور سرکاری اہلکار اس شفقت کے نمائندہ ہیں۔ اگر ان میں بے جا سختی آ گئی تو اس سے عوام بد دلی اور دوری پیدا ہوگی۔ جو فساد اور بغاوت تک منتج ہو سکتی ہے۔ اس مشفقانہ اصلاحی رویے کی مثال نبی اکرمؐ کا یہ طرز عمل ہے: ایک صحابی فرماتے ہیں، میں بچہ تھا اور درختوں پر پتھر مار کر کھجوریں کھایا کرتا تھا، اس پر نبی اکرمؐ نے مجھے اس طرح سمجھایا ''یا غلام لم ترمی النخل؟'' لڑکے! تم کھجوروں کو پتھر کیوں مارتے ہو؟ میں نے کہا میں انہیں گرا کر کھالیتا ہوں، آپؐ نے فرمایا: پتھر پھینک کر گرایا نہ کرو البتہ نیچے پڑی ہو تو اسے کھالیا کرو۔ یہ کہہ کر میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا: ''اللھم اشبع بطنہ'' اے اللہ اسے سیر شکم کردے۔(۴۵)

(۱۳) سرکاری نظم (Discipline) کی پابندی

اہل مناصب اس وقت تک اپنی ذمہ داریوں کو صحیح طریقے سے نہیں ادا کر سکتے جب تک کہ سرکاری نظم و ضبط کے خود پوری طرح پابند نہ ہوں۔ ریاست سے وفاداری اور ہیئت مقتدرہ کے درست قوانین کی تعمیل و تکمیل ملازمین کی شرعی و قانونی ذمہ داری ہے۔ ملازمین کئی جگہ پر سرکاری قانون کو موم کی ناک بنا لیتے ہیں۔ اور اپنے مفادات کے لیے اس میں از خود گنجائشیں نکال لیتے ہیں اور اس طرح سے ڈسپلن تباہ ہو کر رہ جاتا ہے۔ اہلکاروں کے لیے نبوی کوڈ آف کنڈیکٹ میں اس کی کوئی گنجائش نہیں۔ ''عہد نبوی ﷺ میں قاضیوں کو یہ بات اچھی طرح سمجھا دی جاتی تھی کہ دی ہوئی ہدایتوں کے خلاف وہ جو کام کریں گے اسے کالعدم سمجھا جائے گا۔ اور ریاست اس کی ذمہ دار نہ ہوگی''۔(۴۶)

(۱۴) اہل اور دیانتدار اہلکاروں کا تقرر

نظم مملکت کی کامیابی کے لیے ضروری ہے کہ اس کے اہلکاروں کا چناؤ صرف اور صرف اہلیت کی بنیاد پر ہو کیونکہ نااہلی کسی بھی منصب کے تقاضوں کو بری طرح مجروح کر دیتی ہے۔ جس کے نتیجے میں پورا نظام متاثر ہوتا ہے۔ اہم مناصب پر فائز افراد کے لیے اہلیت اور خدا خوفی ایک لازمی شرط ہے۔ دیانت داری اگر نہ ہوئی تو اس سے خیانت اور بدعنوانی کے راستے نکلیں گے۔ جن کو روکنا مشکل تر ہو جائے گا۔ نبی کریم ﷺ نے اس حوالے سے ہدایت دیتے ہوئے فرمایا: ''جس شخص کو اللہ ایک رعیت دے (اسے لوگوں کا حکم یا ذمہ دار بنائے) پھر وہ مرے اور جس دن مرے اس دن اپنی رعایا پر خیانت کرتے ہوئے مرے تو اللہ اس کے لیے جنت کو ضرور حرام کر دے گا''۔(۴۷) ایک دوسرے موقع پر ارشاد فرمایا: ''ہم خدا کی قسم، کسی ایسے شخص کو عامل (ذمہ دار) مقرر نہیں کرتے جو اس کا سوال کرتا ہے، نہ کسی ایسے شخص کا تقرر کرتے ہیں جو اس کا حریص ہو''۔(۴۸)

(۱۵) عمدہ کارکردگی پر حوصلہ افزائی

اہل کاروں کی حسن کارکردگی پر تحسین کرنا، انہیں مختلف انداز سے اپنی عزت افزائی کا احساس دلانا بھی ضروری ہے تا کہ وہ سرکاری فرائض کو دیانت دارانہ طور پر ادا کرتے رہیں۔ کیونکہ حوصلہ افزائی سے انسان کو اپنی کارکردگی بہتر کرنے کی تحریک ملتی ہے۔ نبی کریمؐ اس امر کو ملحوظ رکھتے تھے اور مناسب انداز سے حوصلہ افزائی آپؐ کا طریقہ تھا۔ مسند احمد میں ہمیں یہ روایت ملتی ہے:

> رسول اللہ ﷺ اپنے چچا عباس رضی اللہ عنہ کے بیٹوں عبداللہ، عبیداللہ اور کثیر کو قطار میں کھڑا کرتے اور انہیں کہتے ''جو تم میں سے دوڑ کر میرے پاس پہلے پہنچے گا، اسے یہ یہ چیز ملے گی'' وہ دوڑ لگاتے ہوئے آپؐ کے پاس آتے۔ آپؐ کی کمر اور سینے پر آ گرتے۔ آپؐ انہیں بوسہ دیتے اور انہیں گلے لگاتے۔(۴۹) آپ کا دلجوئی کا یہ انداز کس قدر لطیف و حسین ہے۔ جس میں جسمانی اور ذہنی مسابقت دونوں کی حوصلہ افزائی ہمیں صاف نظر آ رہی ہے۔ اسی تناظر میں اگر اہل منصب کی حوصلہ افزائی جاری رہے تو وہ اپنی کارکردگی کو مزید بہتر کرنے کے ساتھ ساتھ کئی بددیانتیوں سے بھی بچ جاتے ہیں۔

(۱۶) Merit پر (صحیح) فیصلے کرنا

کسی بھی ادارے کی روح (Spirit) کا تقاضا، عدل اور حق کے مطابق فیصلے کرنا ہے۔ کوئی بھی ادارہ جب تک اپنی اس اہلیت کو برقرار رکھتا ہے وہ انسانیت کے لیے مفید رہتا ہے۔ **واما ما ینفع الناس فیمکث فی الارض** (۵۰) کا قرآنی اشارہ اسی عمرانی و عدالتی اصول کی جانب ہماری رہنمائی کرتا ہے۔ خود نبی اکرم ﷺ کی ذات سراپا عدل تھی۔ آپ دوسروں کو اس کی تلقین کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی شخصیت کو بھی بطور مثال پیش فرماتے تھے۔ حضرت اسامہ بن زید نے جب ایک خاتون کی سفارش کی تو آپ نے فرمایا: ''۔۔۔اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ ڈالتا''۔(۵۱)

دور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی مثالیں

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جامعیت

صحابہ کرام پیغام نبوت کے امین ہیں۔ دور خلفاء راشدین میں جو اجتماعی پالیسیاں بنیں، دراصل وہ نبوی بنیادوں پر ہی حالات کے مطابق تشکیل دی گئیں۔ کیونکہ صحابہ کرام، مزاج شناس نبوت تھے۔ اس لیے ان کی کوئی بات مرادات نبوی کے خلاف نہیں ہو سکتی۔ خود نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان خلفاء راشدین کی اقدامات کی تائید و تصویب کرتا ہے: **علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدين المهديين تمسكوا بها وعضوا عليها بالنواجذ.** (۵۲)

عہدِ صدیقی میں خلیفۂ رسول اپنے فرائض ذمہ داریوں کو نبھاتے رہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کردہ تمام عمال اپنے اپنے علاقوں میں عوام کی عمومی اصلاح کی نگرانی کرتے۔ پھر اس عہد میں فتنوں کی کثرت تھی۔ فتنہ اقتدار، منکرین زکوۃ کی شورش، غیر ملکی طاقتوں کا مخاصمانہ رویہ اور دیگر اہم معاملات کو سمیٹنا ناگزیر تھا، اس لیے دور صدیقی میں اس طرف کم توجہ کی گئی۔

عہد فاروقی:

(i) عہد فاروقی میں اہل مناصب سے عہد اور ان کی تقرری کا طریقہ کار: ہر عامل سے عہد لیا جاتا تھا کہ وہ ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہوگا باریک کپڑے نہ پہنے گا۔ چھنا ہوا آٹا نہ کھائے گا۔ دروازے پر دربان نہ رکھے گا۔ اہل حاجت کے لیے دروازہ ہمیشہ کھلا رکھے۔ یہ شرطیں اکثر پروانہ تقرری میں درج کی جاتی تھیں اور ان کو مجمع عام میں پڑھ کر سنایا جاتا تھا۔ (۵۳) حضرت عمرؓ جب اپنے عاملین کو منصب سنبھالنے کے لیے رخصت فرماتے تو انہیں نصیحت فرماتے ہیں کہ تمہیں جابر و قاہر بنا کر نہیں، امام و رہنما بنا کر بھیجتا ہوں مسلمانوں کو مار پیٹ کر انہیں ذلیل نہ کرنا، نہ ان کی تعریفیں کر کے انہیں آزمائش میں مبتلا کرنا۔ ان کے حقوق چھین کر ان پر ظلم نہ کرنا انہیں آزمائش میں مبتلا نہ کرنا۔ اور مسلمانوں کی سہولت و خوش حالی کے لیے ہر طرح کا اہتمام کرتے رہنا۔ (۵۴) گویا وہاں تمیز بندہ و آقا کی حوصلہ شکنی کی جاتی، اور V.I.P کلچر کو کسی صورت پنپنے کا موقع نہیں دیا جاتا تھا۔ اسی ذیل میں سرکاری اہلکاروں کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ خطاب قابل غور ہے:

> ''خدا کی قسم میں اپنے افسروں کو تمہارے پاس اس لیے نہیں بھیجتا کہ وہ تمہارے منہ پر چپت ماریں یا تمہارے مال چھین لیں۔ میں انہیں تمہارے پاس اس لیے بھیجتا ہوں کہ وہ تمہیں تمہارا دین اور تمہارے نبی کی سنت سکھائیں''۔ (۵۵)

عامل مقرر ہونے والے شخص کے لیے ایک فرمان جاری ہوتا تھا۔ جس میں اس کی تقرری اور اختیارات اور فرائض کا ذکر ہوتا تھا اس کے ساتھ بہت سے مہاجرین اور انصار کی گواہی ثبت ہوتی تھی، عامل جس مقام پر جاتا تھا۔ تمام لوگوں کو جمع

کر کے یہ فرمان پڑھا جاتا تھا جس کی وجہ سے لوگ اس کے اختیارات اور فرائض سے واقف ہو جاتے تھے اور جب وہ ان اختیارات کی حد سے آگے قدم رکھتا تھا تو لوگوں کو اس پر گرفت کا موقع ملتا تھا۔(۵٦)

(ii) مقامی افراد کے تقرر کی حکمتیں

حضرت عمر کے دور میں یہ پالیسی زیر عمل تھی کہ مرکز سے کسی فرد کو کسی صوبے میں عامل کے طور پر متعین کر کے نہ بھیجا جائے بلکہ یہ معاملہ بھی صوبوں اور علاقوں کے نامزد کردہ لوگوں میں سے بہترین لوگوں کے سپرد کیا جائے۔ عامل کی تعیناتی تو مرکز سے ہو لیکن اس کا تعلق اسی علاقے سے ہو جہاں کا وہ رہنے والا ہے۔ صوبے یہ نہ سمجھیں کہ ان پر مرکز نے اپنی پسند کا بندہ مسلط کر دیا ہے۔ صوبے کے لوگوں یا صوبے کی حکومت کی طرف سے نامزد کردہ شخص اس صوبے کے لوگوں کے سامنے قابل مواخذہ بھی ہوگا وہ صوبے کی ضروریات کو بھی سمجھتا ہوگا۔ صوبے کے مفادات کو بھی ملحوظ رکھے گا۔ اپنا وطن اور علاقہ ہونے کی وجہ سے اس کی ہمدردیاں بھی اس علاقے اور یہاں کے لوگوں کے ساتھ ہونگی۔ ویسے بھی نفسیاتی طور پر مالیاتی معاملات میں باہر سے مسلط ہونے والا شخص مقامی لوگوں کے لیے پسندیدہ بھی نہیں ہوتا۔

(iii) اہل پاکستان کے لیے رہنمائی

آج کے دور میں جب مالیات کے معاملے میں صوبوں کے درمیان غلط فہمیوں سے بچنے کی ضرورت ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ حکمت عملی بہت مفید ہو سکتی ہے۔ آج پاکستان کے مخصوص حالات میں جبکہ چھوٹے صوبوں اور کئی علاقوں کو اپنی محرومی کا شکوہ رہتا ہے۔ اور پھر اس کی آڑ میں وہاں سے ملک دشمن تحریکیں سر اٹھاتی ہیں، جس سے ملک کا امن وامان متاثر ہوتا ہے۔ اور اجتماعی مفادات کو نقصان پہنچتا ہے۔ ایسے حالات میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مقامی لوگوں کو ترجیح دینے کی حکیمانہ پالیسی، علاقائی سطح پر محروم طبقوں کی محرومیوں کے ازالہ کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ انسان اپنے وسائل پر پہلا حق اپنا ہی سمجھتا ہے اور کسی دوسرے کے وہاں سے فائدہ اٹھانے پر اس کے دل میں اپنی حق تلفی کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ اس احساس کی تلافی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس حکمت کو اپنا کر کی جا سکتی ہے۔ اس سے صوبوں میں اتفاق ویگانگت کا جذبہ بڑھتا ہے۔ اور ملک کو مجموعی استحکام حاصل ہوتا ہے۔

(iv) اعلان وگواہی

جب کوئی شخص کسی جگہ کا عامل مقرر کیا جاتا تھا تو حضرت عمر ایک گروہ کے سامنے اس کو فرمان تقرری عنایت کرتے تھے اور ان صحابہ کو گواہ مقرر کرتے تھے، جس کا یہ مقصد تھا کہ جس شخص کو مقرر کیا گیا ہے اس کے فرائض کا اعلان ہو جائے۔

اس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ عمال کے فرائض اور لوگوں کو ان کے حقوق سے آگاہ فرما دیتے، اس سے لوگوں میں اپنے حقوق سے آگاہ ہو جاتے۔ اپنے حقوق کا شعور پیدا کرنے کے حوالے سے یہ پالیسی ہمارے لیے مشعل راہ ہے۔ اس سے اسلام کے جمہوری مزاج کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

(v) زکوٰۃ جمع کرنے والے ظالمانہ رویہ اختیار نہ کریں

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بحرین اور ہجر کا عامل مقرر کیا وہ سال کے آخر میں دو تھیلیاں جن میں پانچ لاکھ درہم تھے لے کر حاضر ہوئے، انہیں دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے آج تک اس سے زیادہ مال یکجا نہیں دیکھا۔اس میں کسی مظلوم سے چھینا ہوا یا ظلم وزیادتی سے حاصل شدہ مال یا کسی یتیم اور بیوہ کا غصب کیا ہوا مال تو شامل نہیں ہے؟ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے کہا نہیں خدا کی قسم اگر ایسا ہوتو میں ہی سب سے برا آدمی قرار پاؤں گا کہ سارا فائدہ (یعنی مال) تو آپ کے حصے میں آئے اور سارا وبال میرے اوپر پڑے۔(۵۷)

(vi) بیت المال کی حیثیت

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''مجھے بیت المال کے مال کے سلسلے میں تین ہی باتیں مناسب نظر آتی ہیں اسے حق کے ساتھ وصول کیا جائے، حق کی راہ میں دیا جائے اور باطل پر صرف کرنے سے روکا جائے تمہارے مال کے سلسلے میں میری حیثیت وہی ہے جو کسی یتیم کے سرپرست کی ہوتی ہے اگر میں ضرورت مند نہ رہا تو بیت المال کے مال سے ہاتھ کھینچ لوں گا۔ اگر میں ضرورت مند ہوگیا تو اس میں سے معروف طریقہ کے مطابق کھاؤں گا۔''(۵۸)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فرمان کہ بیت المال میں سے تین ہی باتیں مناسب دکھائی دیتی ہیں۔اس میں پہلی بات یہ بیان کی گئی ہے کہ حق کے ساتھ وصول کیا جائے اس کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں پر ناحق ٹیکس عائد نہ کیے جائیں سرکاری محاصل کی وصولی میں ان پر تشدد نہ کیا جائے۔جو کچھ وصول کیا جائے اسے عوام کی فلاح اور ان کے صحیح مصارف پر خرچ کیا جائے باطل پر صرف کرنے سے روکا جائے۔

سرکاری ملازمین کو بدعنوانی سے بچانے کے لیے معقول مشاہرے:۔حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے شکوہ کیا کہ آپ نے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو (سیاسی مناصب دے کر دینوی زندگی میں) آلودہ کردیا ہے۔اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر میں دین کی سلامتی (دفاع دین) کے لیے دین داروں سے مدد نہ لوں تو کس سے مدد لوں انہوں نے فرمایا ''اگر آپ نے ایسا ہی کرنا ہے تو انہیں اتنا معاوضہ دیجئے کہ وہ خیانت کرنے سے بے نیاز ہوجائیں''۔(۵۹) یہ وظائف ان لوگوں کی ضرورت کے مطابق ہونے چاہیں اور یہ تنخواہیں زکوۃ سے وصول ہونے والے مال کے ۱/۸ سے کم بھی ہوسکتی ہیں اور زیادہ بھی۔البتہ تحصیل زکوۃ کے ذمہ دار کو اتنی تنخواہ دی جائے جو اس کے ماتحت کارکنوں کے لیے تنگی یا اسراف کے بغیر متوسط معیار کے ساتھ گزر بسر ہوسکے۔(۶۰)

(vii) عہد عثمانی رضی اللہ عنہ میں تحقیقاتی مشن یا عوامی عدالت

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں جب آپ کے عمال کے بارے میں لوگوں کو عام شکایات پیدا ہوئیں تو انہوں

نے مختلف صحابہ کو کمیشن کے طور پر مختلف علاقوں کا جائزہ لینے کے لیے بھیجا۔ حضرت محمد بن مسلمہ کو کوفہ، اسامہ بن یزید کو بصرہ عمار ابن یاسر کو مصر اور عبدا بن عمر کو شام کی طرف متعین کیا۔ گویا عوامی شکایات کی حقیقت کو جاننے کے لیے خصوصی کمیشن کا قیام کوئی نیا طریقہ نہیں ہے۔ اس کے علاوہ حضرت عثمان حج کے موقع پر لوگوں کی شکایات سنا کرتے تھے۔ ابن اثیر میں آپ کا ایک بیان نقل کیا گیا ہے۔ جس میں وہ فرماتے ہیں:

"جب سے مجھے بارِ خلافت ملا ہے میں نے **امر بالمعروف ونھی عن المنکر** کو اپنا شعار بنایا ہے۔ میرے یا میرے عمال کے پاس جو معاملات پہنچائے جاتے ہیں میں ان کا تدارک کرتا ہوں۔ رعایا کے اسی مال میں میرا اور میرے اہل وعیال کا حق ہے جو اس کے مصارف سے بچ رہے۔ جس کے ساتھ کوئی زیادتی ہوئی وہ حج کے موقع پر بیان کر کے مجھ سے اور میرے عمال سے اپنا حق حاصل کرے یا صدقہ کر دے کہ اللہ صدقہ کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔(۶۱)

دور مرتضوی رضی اللہ عنہ

ملکی نظم ونسق کے سلسلہ میں سب سے اہم کام عمال کی نگرانی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کا خاص اہتمام فرمایا وہ جب کسی عامل کو مقرر کرتے تو اس کو نہایت مفید اور گراں بہا نصائح کرتے تھے۔(۶۲) حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور میں عمال حکومت پر خصوصی نگاہ رکھی جاتی ہے۔ منذر بن جارود والئی اصطخر کے متعلق معلوم ہوا کہ وہ عیش کی زندگی گزرتا ہے۔ اسے لکھا کہ مجھے معلوم ہوا کہ تم عیش وعشرت کی زندگی بسر کرتے ہو۔ بخورات اور روغنیات کا زیادہ استعمال کرتے ہو، تمہارے دستر خوان پر طرح طرح کی نعمتیں ہوتی ہیں۔ منبر پر بیٹھ کر تم صدیقین کا وعظ کرتے ہو اور تنہائی میں تمہارا عمل یہ ہے کہ تم مشکوک چیزوں کو بھی جائز قرار دے لیتے ہیں۔ اگر یہ شکائتیں صحیح ہیں تو تم نے اپنے نفس کو نقصان پہنچایا اور مجھے مجبور کیا کہ میں تمہارے خلاف تادیبی کاروائی کروں تم بیواؤں ور یتیموں سے حاصل کیے ہوئے مال سے عیش وتنعم میں ڈوب کر اللہ سے صالحین کے اجر کی توقع کس طرح رکھتے ہو۔ اپنے نفس کی اصلاح کرو اور اللہ کے حقوق ادا کرو۔(۶۳) وقتاً فوقتاً عمال وحکام کے طرز عمل کی تحقیقات کرتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ جب حضرت کعب بن مالک کو اس خدمت پر مامور کیا تو یہ ہدایت فرمائی:

اخرج فی طائفة من اصحابک حتی تمر بارض السواد کورة کورة فتسالھم عن عمالھم وتنظر فی سیرتھم"(۶۴)

آپ تحریری باز پرس کے علاوہ کمیشن کے ذریعے عمال کے طرز عمل کی تحقیقات کراتے۔ ایک مرتبہ کسب بن مالک انصاری کو عراق کے حکام کی تحقیقات پر مامور کیا اور فرمایا تم چند آدمیوں کو ساتھ لے کر عاق جاؤ اور ہر ہر ضلع میں جا کر وہاں کے عمال کی تحقیقات کرو اور ان کے طرز عمل پر نظر ڈالو۔(۶۵)

خلفاء راشدین کے اس مجموعی طرزِ عمل سے پتا چلا کہ وہ کس حد تک مرادات نبوی کی تکمیل میں لگے رہتے تھے۔ اور اہل مناصب کی مسلسل نگرانی کو خلافت کا فریضہ سمجھتے تھے۔ اہل مناصب کی درست تقرری کے بعد انہیں فرائضِ مفوضہ کی حدود بتاتے اور ان کی مسلسل نگرانی کرتے، پھر احتساب کا نظم بھی انہیں مسلسل نگاہ میں رکھتا کہ کسی جگہ وہ وسائل اور ذرائع کا غلط استعمال نہ کرسکیں۔ اور انسانیت کے لیے بہترین حکومت (Good Governence) کی مثال قائم کرسکیں، تاکہ انسانیت کو خلافت علی منہاج النبوۃ کے فیوض و برکات اور رفاحیت و فیض رسانی کا پتا چل سکے۔

نبی کریم ﷺ کی شخصیت ہمہ جہت ہے آپ ؐ نے انفرادی زندگی سے لے کر نظم اجتماعی تک اپنے اسوہ حسنہ کی مثالیں امت کے لیے چھوڑیں ہیں تاکہ وہ انہیں مشعل راہ بنا کر دین دنیا کی کامیابیاں حاصل کرسکے۔ سرکاری مناصب اور ذرائع کے ذمہ دارانہ استعمال کے حوالے سے نبی کریم ﷺ نے ملازمین کے لیے جو ضابطہ قوانین اور ضابطۂ اخلاق (Code of Conduct) متعین فرمایا اس کے چند گوشے اور کچھ جھلکیاں اوپر پیش کی گئیں ہیں۔ آج اہل اسلام بالعموم اور اہل پاکستان بالخصوص اگر دنیاوی پہلو سے بھی ترقی کرنا چاہتے ہیں اور اپنے نظم حکومت کو ہر کرپشن، بدعنوانی، بددیانتی سے پاک کرنا چاہتے ہیں۔ اور مملکت کو معاشی ترقی، وسیاسی استحکام دینا چاہتے ہیں تو انہیں اس نبوی کوڈ آف کنڈیکٹ کی پابندی خود بھی کرنی ہوگی اور سرکاری ملازمین سے بھی کروانی ہوگی۔ کیونکہ آج کے نامساعد حالات میں اسوہ نبوی کی رہنمائی ہی اہل پاکستان کو قعرِ ذلت سے نکال کر بامِ عروج تک لے جایا جاسکتا ہے۔

تیرا ﷺ نقشِ پا تھا جو رہنما تو غبارِ راہ تھی کہکشاں
اسے کھو دیا تو زمانے بھر نے ہمیں نظر سے گرادیا

مراجع وحواشی

(۱) ندوی، سید سلیمان (۱۹۹۵)، ص۳۲، سیرت النبی، ج۷، کراچی: دارالاشاعت
(۲) دیکھیے سورہ بقرہ کی درج ذیل آیات، آیت نمبر ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۴۳، ۱۷۷، ۱۷۹، ۱۸۷ تا ۲۰۰
(۳) سورۃ النساء: ۴ آیت ۵۸
(۴) ابن کثیر، عمادالدین دمشقی (۱۳۸۵)، ص۲۰۷، تفسیر القرآن العظیم، ج۲، بیروت: ادارہ اندلس
(۵) ایضاً، ج۴، ص۳۲۰
(۶) دریا آبادی، عبدالماجد، مولانا (س۔ن)، تفسیر ماجدی، ص۱۹۷، لاہور: تاج کمپنی
(۷) **اقبل رسول اللہ ﷺ عام الفتح علی ناقة لاسامة بن زید حتی اناخ بفناء الکعبة ثم دعا عثمان بن طلحة فقال ائتینی بالمفتاح فذهب الی امه فابت ان تعطیه فقال واللہ لتعطینه او لیخرجن هذا السیف من صلبی فقال فاعطیت اياه فجاء به الی النبی ﷺ فدفع الیه ففتح الباب.** مسلم، ابوالحسن بن الحجاج نیشاپوری (س۔ن)، جامع الصحیح ج۲، حدیث نمبر ۱۳۲۹، بیروت، ص۹۶۶، داراحیاء التراث العربی

(۸) سورۃ النور: ۲۴، آیت ۵۵

(۹) ''اللہ تعالیٰ نے زمین کو میرے لیے سکیڑ دیا، پس میں نے اس کے مشرقی اور مغربی حصے دیکھے، عنقریب میری امت کا دائرہ اقتدار وہاں تک پہنچے گا، جہاں تک میرے لیے زمین سکیڑ دی گئی''۔ مسلم بن حجاج، حدیث نمبر ۲۸۸۹

(۱۰) طبری، ابوجعفر، محمد بن جریر (۱۴۰۹ھ)، جامع البیان، ج ۱۸، بیروت: دار الفکر، ص ۱۵۸

(۱۱) آلوسی، علامہ، سید محمود، ابوالفضل (۱۴۱۲ھ)، ص ۲۰۵، روح المعانی، ج ۱۸، بیروت: دار الفکر

(۱۲) سورۃ النساء: ۴، آیت ۴۹

(۱۳) ''بہترین قول ان حضرات کا ہے جو کہتے ہیں کہ ان سے مراد امراء اور حکام ہیں''۔ طبری، ص ۱۴۷، ۱۵۰، ج ۵

(۱۴) رازی، امام، فخر الدین (۱۴۰۳)، مفاتیح الغیب، ج ۱۰، طبع سوم، بیروت: دار احیاء التراث العربی، ص ۱۱۳

(۱۵) تفسیر ابن کثیر، ج ۲، ص ۳۲۶؛ جصاص، ابو بکر، احمد بن علی، احکام القرآن، ج ۲، لاہور: سہیل اکیڈمی، ص ۲۱۰؛ پانی پتی، ثناء اللہ قاضی، تفسیر مظہری، ج ۲، جامع مسجد دہلی: ندوۃ المصنفین، ص ۱۷

(۱۶) محمد بن طاہر، ابن عاشور (۱۹۹۷)، التحریر والتنویر، ص ۲۰۰، ج ۱، تیونس: دار السحون للنشر والتوزیع

(۱۷) بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، رقم الحدیث، ۷۱۴۵

(۱۸) مودودی، ابوالاعلیٰ، سید، تفہیم القرآن، ج ۱، ص ۳۶۴، لاہور: ادارہ ترجمان القرآن

(۱۹) سورۃ البقرہ: ۲، آیت ۲۴۷　　　(۲۰) رازی، بحوالہ بالا، ص ۱۲۱، ج ۱

(۲۱) محلی، وسیوطی، تفسیر جلالین، ص ۳۷، کراچی: قدیمی کتب خانہ آرام باغ

(۲۲) تقی امینی، مولانا (۱۹۹۷)، عروج وزوال کا الٰہی نظام، ص ۴۹، لاہور: مکی دار الکتب

(۲۳) ''بے شک امام وہ سپر ہے جس کے پیچھے ہو کر جنگ کی جاتی ہے اور اس کے ذریعہ سے حفاظت کی جاتی ہے پس اگر وہ تقویٰ کا حکم دے اور انصاف کرے تو اسے ثواب ملے گا اور اس کے خلاف کرے تو گناہگار ہوگا''۔ بخاری، رقم الحدیث، ۲۹۵۷

(۲۴) سورۃ البقرہ: ۲ آیت ۳

(۲۵) یہ آیت ایک ایسے خلیفہ کے تقرر کے بارے میں ایک اصل ہے جس کی اطاعت وفرماں برداری کی جائے تاکہ اس طریقہ سے کلمہ میں اتحاد پیدا ہو اور احکام خلیفہ کا نفاذ ہو۔ اس تقرر کے واجب ہونے کے بارے میں امت یا ائمہ کے درمیان کوئی اختلاف نہیں۔
(قرطبی، ابوعبداللہ بن احمد (۱۴۱۵)، الجامع لاحکام القرآن، ج ۱، بیروت، دار الفکر، ص ۲۶۴

(۲۶) Papanak, G. F. (1967). Political Development, London: Cambridge University Press, p. 161

(۲۷) اسحاق، صدیقی، مولانا (۱۹۸۱)، اسلام کا سیاسی نظام، کراچی: مجلس دعوت وتحقیق اسلامی، بنوری ٹاؤن، ص ۸۹۔ اسلامی سیاسی نظام میں اصل طاقت قانون کو حاصل ہے حکومت بھی اسی سے طاقت حاصل کرتی ہے اگر قانون نہ ہو تو حکومت بے کار محض ہے بلکہ در حقیقت قانون کا وجود حکومت کے وجود پر مقدم ہے۔

''قانون اور حکومت کا یہ تعلق فطری ہے۔ ہر قانون کا اقتضاء یہ ہوتا ہے کہ ایسی جماعت کو وجود میں لائے جو اس کا نفاذ کرے اگر کسی ایسی جماعت کا وجود نہ ہو تو قانون کا نفاذ نہ ہو سکے گا اور قانون کے فوائد سے پبلک محروم ہو جائے گی۔ قانون پر عمل اختیار چیز ہے اور وہ اسلامی قانون ہر شخص کے لیے مفید ہے لیکن اس کی افادیت بسا اوقات عام نگاہوں سے مخفی ہو جاتی ہے جس کے متعدد اسباب ہو سکتے ہیں بہت سے اشخاص اس پر اس وقت تک عمل نہیں کر سکتے جب تک کوئی طاقت ان کو اس عمل کرنے کے لیے مجبور نہ کر دے۔ یہی طاقت حکومت کہلاتی ہے۔۔۔۔ اس طرح سے گویا کرپشن یا کسی بھی طرح سے غلط فائدہ اٹھانے کی کوئی قانونی گنجائش نہیں رہتی''۔ اسلامی

قوانین کی نفسیاتی طاقت:۔اسلامی قانون اور غیر اسلامی قانون میں یہ بہت فرق ہے کہ اسلامی قانون فطرت انسانی سے مناسبت ومطابقت رکھتا ہے بایں معنی کہ انسانی فطرت اس کے مطابق خلق کی گئی ہے۔اسلام کا سیاسی نظام، ص ۴۱،۴۲

(۲۸) خلیفہ/امیر ریاست کے فرائض:۔

۱۔ حفاظت، دین، دفاع دین اور تعلیم دین	۲۔ شرعی قوانین کا نفاذ اور عدل وانصاف کا قیام
۳۔ مال جان اور آبرو کی حفاظت اور امن وامان کا قیامت	۴۔ شرعی سزاؤں کا نفاذ اور مجرموں کی سرکوبی
۵۔ فوج اور اسلحہ کا انتظام اور دار السلام کا دفاع	۶۔ کفار محاربین کے خلاف قتال وجہاد کا انتظام
۷۔ سرکاری خزانے کی حفاظت اور اسلام کے مالی نظام کا قیام	۸۔ قومی خزانے پر امانت دار ماہرین کا تقرر
۹۔ تنخواہوں کے منصفانہ نظام کا قیام اور بروقت ادائیگی	۱۰۔ عوام کی حالت سے براہ راست باخبری۔

تفصیل کے لیے دیکھیے،الماوردی، ابوالحسن، علی بن محمد، الاحکام السلطانیہ، بیروت، دار احیاء التراث،متعلقہ مباحث، نیز ابو یعلی، الاحکام السلطانیہ،اور مولانا حامد انصاری، اسلام کا نظام حکومت، سید، مودودی، اسلامی ریاست، مولانا گوہر رحمٰن، اسلامی سیاست۔ ان کتب میں خلیفہ، امیر یا سربراہ مملکت کے فرائض وذمہ داریاں کے حوالے سے جدید عالمی تناظر میں بھرپور طریقے سے چشم کشا روشنی ڈالی گئی ہے۔

(۲۹) تقی، امینی، مولانا (۱۹۹۷)، عروج وزوال کا الٰہی نظام، لاہور: مکی دار الکتب، ص ۱۰۰

(۳۰) ابو عیسی، محمد بن عیسی (۱۹۹۸ء)، سنن ترمذی، ج ۳، بیروت: دار الغرب الاسلامی، ص ۱۴

اس موضوع پر دو روایتیں مزید ہیں: ابوداؤد میں ہے کہ ایک صحابی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے عامل بنا کر بھیجنا چاہا اور فرمایا ''ایسا نہ ہو کہ میں تمہیں قیامت کے دن اس حال میں پاؤں کہ تمہاری پیٹھ پر اونٹ ہو جو آواز نکال رہا ہو جسے تم نے خیانت کے طور لیا ہوگا''۔ صحابی کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ ''میں ایسا عہدہ نہیں لینا چاہتا'' آپ نے فرمایا ''پھر میں بھی تمہیں جبرا نہیں بھیجتا''۔ابوداؤد، سلیمان بن اشعث (۱۴۱۴ھ)، بجستانی، السنن، حدیث نمبر ۲۹۴۷، ج ۳، بیروت: دار الکتب العلمیہ، ص ۱۳۵

اسی طرح کی ایک روایت حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: ''ایسا نہ ہو کہ تو بلبلاتے ہوئے اونٹ کو اٹھائے ہوئے آئے جسے تو نے خیانت میں لیا تھا۔ میں نے کہا: پھر تو میں اس طرح کا عہدہ لینے دست بردار ہوتا ہوں'' پھر آپ نے مجھے اس عہدہ پر متعین فرمانے پر اصرار نہیں فرمایا۔''

ابن کثیر،، ج ۱، ص ۴۲۲، زیر آیت آل عمران، ۱۶۱

(۳۱) مسلم، محولہ بالا، ج ۳، ص ۱۴۶۳، ۱۴۶۴

(۳۲) ''ڈاکٹر نور محمد غفاری ان روایات کی لطیف توضیح فرماتے ہیں جو منصب صحابیت کے شایان شان ہے۔اصل بات یہ تھی کہ لوگوں کو صحابہ کرام سے عقیدت تھی اور وہ اسی بناء پر انہیں ہدایا اور تحائف باعث ثواب سمجھتے تھے۔یہ تحائف دینے والوں نے بھی اسی نیت سے دیے تھے اور لینے والے کی نیت بھی صاف تھی۔لیکن نبی کریمؐ نے نیت کے مسئلے سے قطع نظر آئندہ کے لیے کسی طرح کی بدعنوانی کے انسداد کے لیے ہر سوراخ کو بند فرمادیا''۔غفاری، نور محمد، ڈاکٹر، نبی کریم کی معاشی زندگی، کراچی: شیخ الہند اکیڈمی، ص ۲۳۸

(۳۳) ابن تیمیہ، تقی الدین (۱۴۱۸ھ)، السیاسۃ الشرعیۃ، سعودی عرب، وزارت اوقاف، ص ۵۱

(۳۴) ''ہم نے جسے کسی جگہ کا عامل مقرر کیا اور اس کے کام کا معاوضہ بھی مقرر کر دیا اگر وہ اس معاوضے سے زائد حاصل کرتا ہے تو یہ ناجائز آمدنی ہے'' ابوداؤد، ج ۳، ص ۱۳۴۔

(۳۵) حنفی ابو یوسف بن یعقوب، (۱۳۰۲ھ)، کتاب الخراج، مصر، مطبع الموسوعات، ص ۱۰۷

(۳۶) ابوداؤد،حدیث نمبر ۲۹۳۷ (۳۷) صحیح بخاری،ص ۲۱۷،ج ۲ (۳۸) الحشر:۶۹،آیت ۷

(۳۹) تفصیل کے لیے دیکھیے،حمید اللہ، محمد، الدکتور، الوثائق السیاسیۃ فی عہد النبیؐ والخلافۃ الراشدۃ،ص ۹۱،قاہرہ،مطبع لجنۃ التالیف والنشر

(۴۰) **اذا ام احدکم الناس فلیخفف فان منھم الصغیر والکبیر والضعیف والمریض فاذا صلی وحدہ فلیصل کیف یشاء**۔صحیح مسلم،ج ۱،ص ۳۴۱

(۴۱) المومن مراۃ المومن،والمومن **اخو المومن یکف علیہ ضیعتہ ویحوطہ من ورائہ**۔سنن ابوداؤد،رقم حدیث ۴۹۱۸

(۴۲) **من ولاہ اللہ عزوجل شیئا من امر المسلمین فاحتجب دون حاجتھم وخلتھم وفقھم احتجب اللہ عنہ دون حاجتہ وخلتہ وفقرہ**. سنن ابوداؤد،رقم الحدیث ۲۹۴۸

(۴۳)**ان احب الناس الی اللہ یوم القیامۃ**،**وادناھم منہ مجلسا امام عادل، وابغض الناس الی اللہ،ابعدھم منہ مجلسا امام جائر**. سنن ترمذی،رقم الحدیث ۱۳۲۹

(۴۴) جامع ترمذی،رقم الحدیث،۳۸۲۷ (۴۵) ابوداؤد،رقم الحدیث ۲۲۵۳؛ابن ماجہ،رقم الحدیث ۲۲۹۰

(۴۶) حمید اللہ،محمد،ڈاکٹر (۱۹۸۷)،عہد نبوی ﷺ میں نظام حکمرانی،کراچی:اردو اکیڈمی سندھ،ص ۱۶۱

(۴۷) بخاری،رقم الحدیث ۱۷۵۰،مسلم،رقم الحدیث ۱۴۲ (۴۸) بخاری،رقم الحدیث ۱۷۴۹

(۴۹) حنبل،احمد،رقم الحدیث ۱۷۳۹ (۵۰) سورۃ الرعد:۱۳،آیت ۱۷

(۵۱) بخاری،رقم الحدیث،۶۲۹۰ (۵۲) ترمذی رقم الحدیث ۲۶۷۶

(۵۳) حنفی ابویوسف بن یعقوب،محولہ بالا،ص ۱۱۶ (۵۴) ایضاً (۵۵) ایضاً

(۵۶) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس بات کا سخت اہتمام تھا کہ عاملوں کے جو فرائض ہیں ایک ایک سے واقف ہو جائے۔چنانچہ بارہا مختلف مقامات اور مختلف موقعوں پر اس کے متعلق خطبے دیے۔ایک خطبہ میں جو مجمع عام میں دیا تھا عاملوں کو مخاطب کر کے یہ الفاظ فرمائے۔"**الا وانی لم ابعثکم امراء ولا جبارین ولکن بعثتکم ائمۃ الھدی یھتدی بکم فادوا علی السملمین حقوقھم ولا تضربوھم فتذلوھم ولا تحمدوھم فتفتنوھم ولا تغلقوا الابواب دونھم فیاکل قویھم ضعیفھم ولا تستاثروا علیھم فتظلموھم**" ''یاد رکھو کہ میں نے تم لوگوں کو امیر اور سخت گیر مقرر کر کے نہیں بھیجا ہے، بلکہ امام بنا کر بھیجا ہے تا کہ لوگ تمہاری تقلید کریں تم لوگ مسلمانوں کے حقوق ادا کرو،ان کو زدوکوب نہ کرو کہ وہ ذلیل ہوں،ان کی بے جا تعریف نہ کرو کہ غلطی میں پڑیں،ان کے لیے اپنے دروازے بند نہ رکھو کہ زبردست کمزوروں کو کھا جائیں ان سے کسی بات میں اپنے آپ کو ترجیح نہ دو کہ یہ ان پر ظلم کرنا ہے۔'' حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ پھر میں کسے عامل مقرر کروں؟ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا کہ میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ ایسے شخص کو عامل کو مقرر کریں جو آپ کے نزدیک بھی ہر خرابی سے پاک ہو اور جسے آپ کے خلاف کوئی شکایت بھی نہ ہو۔'' حنفی ابویوسف بن یعقوب،محولہ بالا،ص ۱۱۳

(۵۷) حنفی ابویوسف بن یعقوب،محولہ بالا،ص ۱۱۴ (۵۸) ایضاً (۵۹) ایضاً،ص ۱۰۸

(۶۰) حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بڑے بلند پایہ صحابی ہیں۔انہوں نے مصر عرب کے نسلی،لسانی اور مذہبی اختلاف کے باوجود مصر کی فتح کے بعد یہاں کے لوگوں کی تالیف قلب میں کوئی کمی نہ چھوڑی۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے اس اقدام سے بہت خوش تھے لیکن جب خلیفہ کو یہ شبہ پڑا کہ مصر سے محاصل کی مرکز کو روانگی میں تاخیر ہوئی ہے تو وہ ان پر برہم ہوگئے۔انہیں یہ بات ہرگز گوارہ نہ تھی کہ مصر ایسے زرخیز علاقے کی آمدنی کا کچھ حصہ بیت المال کا حصہ بننے سے رہ جائے یا ان کے کسی گورنر کے بارے میں کسی طرح کی بدعنوانی کا شبہ بھی ہو۔حضرت عمرو بن العاص گورنر مصر تھے۔ان کی طرف سے محاصل کی مدینہ منورہ آمد میں بوجوہ تاخیر ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ

عنہ نے انہیں بار بار خطوط لکھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اصرار تھا کہ گورنر اس بات کی جلد از جلد وضاحت کریں کہ محاصل مرکز کیوں منتقل نہیں ہو رہے۔ حضرت عمرو بن العاص کا موقف یہ تھا کہ صوبے سے حاصل شدہ محاصل مرکز کو روانہ کرنے میں تاخیر اس لیے ہوئی ہے کہ انہوں نے اپنی رعایا کو خشک سالی کے اثرات کی وجہ سے اگلی فصل کے کٹنے تک سہولت دے رکھی تھی وہ اس سہولت سے لوگوں کو فائدہ دینا چاہتے تھے۔ لیکن اس دوران خلیفہ اور گورنر کے درمیان خط و کتابت ہوئی۔ یہ خط و کتابت ہمارے لیے اپنے اندر بہت سے نکات سموئے ہوئے ہے۔ مثلاً (۱) حضرت عمر کسی بھی بڑی سے بڑی شخصیت کو کوئی گنجائش اور نرمی نہیں دینا چاہتے تھے (۲) اس سے اسلامی مملکت کے نظم و ضبط اور Rule of Law کا پتا چلتا ہے۔

(٦١) ابن اثیر، ابوالحسن علی الشیبانی (۱۹۶۵ء)، الکامل فی التاریخ، ج ۳، بیروت: دار الصادر، ص ۵۵

(٦٢) حنفی ابو یوسف بن یعقوب، محولہ بالا، ص ۷۹

(٦٣) یعقوبی، ج ۲، ص ۲۳۸؛ بحوالہ تاریخ اسلام، معین الدین ندوی، ج ۱، لاہور: مکتبہ اسلامیہ، ص ۳۷۵

(٦٤) ''تم اپنے ساتھیوں کا ایک گروہ لے کر روانہ ہو جاؤ اور عراق کے ہر ضلعے میں چکر لگاؤ پھر ان سے وہاں کے عمال کی تحقیقات کرو اور ان کی روش پر غائر نظر ڈالو۔ حنفی ابو یوسف بن یعقوب، محولہ بالا، ص ۲۶۷

(٦٥) حنفی ابو یوسف بن یعقوب، محولہ بالا، ص ۹